برصغیر میں سب سے پہلا مکمل منظوم ترجمۂ قرآن
تعارف و تجزیہ

محمد سعید شیخ ۞

قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا اور اس کے پہلے مخاطب اہلِ عرب ہی تھے، مگر چوں کہ قرآن مجید کی تعلیمات ابدی اور عالم گیر ہیں، اس لیے قیامت تک کے آنے والے انسانوں کے لیے اس میں ہدایت کا سامان ہے۔ وہ لوگ جن کی زبان عربی نہیں ہے یا وہ عربی نہیں سمجھتے، اُن کے لیے قرآن سے استفادہ بہ ذریعہ ترجمہ ہی ممکن ہے۔ ہر دور کے اہلِ علم حضرات نے لوگوں کی ضرورتوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے ترجمے کیے ہیں، شاید ہی دنیا کی کوئی ایسی زندہ زبان ہو، جس میں قرآن مجید کا ترجمہ نہ ہو۔ اُردو کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ سب سے زیادہ تراجم قرآن اِس زبان میں ہوئے ہیں۔ اُردو میں قرآن مجید کے ترجمے دو طرح کے ہیں: منثور اور منظوم؛ راقمِ سطور کی اب تک کی معلومات کی حد تک نثر کی طرح نظم میں بھی دُنیا کی تمام دیگر زبانوں کی نسبت اُردو میں قرآن مجید کے ترجمے تخلیق ہوئے ہیں۔ اُردو میں اب تک انیس مکمل منظوم ترجمے زیورِ طبع سے آراستہ ہوچکے ہیں، بعض کے تو ایک سے زائد ایڈیشن اشاعت پذیر ہوچکے ہیں۔ جزوی تراجم کی تعداد اِن سے کہیں زیادہ ہے۔

جب نثر میں ترجمہ کرنا ناممکن حد تک مشکل ہے، تو نظم میں مترجم کے لیے مشکلات دو گنا ہوجاتی ہیں؛ ایک طرف متن قرآن کا تتبع تو دوسری طرف وزن وبحر اور ردیف وقافیہ کی کڑی پابندی۔ بہ ہرحال منظوم تراجم کا وجود ایک حقیقت ہے۔ راقم سطور نے اس مقالے کے لیے منظوم تراجم قرآن میں سے **نظم البیان المعروف منظوم اُردو ترجمۂ قرآن** کا انتخاب کیا ہے جو مولانا شمس الدین شائق ایزدی کی فکر کا نتیجہ ہے۔ راقم نے اوّلاً نظم نگار مترجم اور اُس کے ترجمے کا تعارف کروایا ہے اور پھر اس بات کا جائزہ لیا ہے کہ یہ ترجمہ متنِ قرآن کے مطابق ہے یا نہیں؟ زبان وبیان، فن عروض اور شاعری کے

۞ لیکچرار شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ شالیمار کالج، باغبان پورہ، لاہور۔(tehqeeqat@gmail.com)

دیگر قواعد وضوابط پر پورا اترتا ہے یا نہیں؟ پہلے مکمل منظوم اُردو تراجمِ قرآن کی مختصر تاریخ اور پھر مطلوبہ ترجمۂ قرآن مع نظم نگار مترجم کا تعارف پیش کیاجاتاہے۔

مکمل منظوم تراجم قرآن کی مختصر تاریخ

برصغیر پاک وہند میں قرآن مجید کے خالصتاً منظوم تراجم سے قبل منظوم تفسیر نویسی کا رجحان رہا۔ اب تک کی دست یاب معلومات کی حد تک سب سے پہلے قرآن مجید کی مکمل مطبوعہ تفسیر عبد السلام سلامؔ بدایونی (۱۲۸۹-۱۲۰۱ھ) کی **زاد الآخرۃ** ہے، قاضی عبد السلام نے اِس منظوم تفسیر کا آغاز ۱۲۴۴ھ [۱۸۲۸-۲۹ء] میں کیا، آپ نے مسلسل پندرہ سال کی محنت شاقہ سے ۱۲۵۹ھ [۱۸۴۳ء-۱۸۴۴ء] میں قرآن مجید کی یہ منظوم تفسیر مکمل کی۔ **زادالآخرۃ** اس کا تاریخی نام ہے جس سے ۱۲۴۴ھ کا عدد بنتا ہے۔ یہ تفسیر اپنی تکمیل کے تقریباً چھبیس سال بعد فاضل مصنف کی حیات ہی میں ربیع الاوّل ۱۲۸۵ھ/ جون ۱۸۶۸ء میں مطبع نوَلْ کِشُور لکھنؤ سے طبع ہوکر منصۂ شہود پر آئی۔ فاضل نظم نگار مفسر نے قرآنی آیات کی تفسیر کو نظم کرنے کے لیے اصنافِ شاعری میں سے بہ اعتبار ہیئت ”مثنوی“ کا انتخاب کیا اور بحورِ سخن میں سے ”بحر خفیف“ کو پسند کیا۔ اس منظوم تفسیر کے بعد شمس الدین شائق ایزدی (م:۱۹۳۶ء) نے قرآن مجید کا مکمل منظوم ترجمہ شائع کیا، جسے پہلے مکمل مطبوعہ منظوم ترجمے کا اعزاز حاصل ہے۔ زیر نظر مقالہ اسی ترجمے کے تعارف وتجزیے پر مشتمل ہے۔ قرآن مجید کا دوسرا باقاعدہ ترجمہ مطیع الرحمن خادمؔ (علی گڑھی) کا **نظم المعانی ترجمہ کلامِ ربانی** کے عنوان سے ہے، جو ۱۹۴۶ء میں رفاہِ عام پریس آگرہ سے مطبوع ہوا۔ یہ ترجمہ بین السطور کے بجائے صفحے کی تین اطراف میں حاشیے پر ہے اور اس کے درمیان میں متنِ قرآن ہے۔ **نظم المعانی**، قرآن مجید کا لفظی ترجمہ ہے اور اصنافِ نظم میں سے مثنوی کی ہیئت میں ہے۔ شاعر نے ترجمہ نظم کرنے کے لیے **مثنوی مولانا روم** کی بحر یعنی بحر رمل کا انتخاب کیا ہے۔ قیام پاکستان سے قبل مکمل منظوم تراجم کے ضمن میں یہی دو ترجمے طباعت کے زیور سے آراستہ ہوسکے۔

قیام پاکستان کے بعد طباعت کے اعتبار سے سب سے پہلا منظوم ترجمہ اثرؔ زبیری لکھنوی (م:۱۹۹۶ء) کا **سِحْرُ الْبَیَان** ہے۔ اِس کا زمانۂ تخلیق جنوری ۱۹۴۳ء تا ۱۹۶۲ء ہے، مگر چند جزوی اشاعتوں کے بعد ۱۹۷۴ء کے اواخر سے ۱۹۷۶ء کے اواخر تک یہ ترجمہ مکمل صورت میں پندرہ پندرہ پاروں پر

مشتمل دو جلدوں میں الحجاز پبلشرز کراچی سے اشاعت پذیر ہوا۔ **سحرالبیان** میں عمومی طور پر لفظی ترجمہ کیا گیا ہے، لیکن بعض جگہ شگفتگیِ زبان کو ملحوظ رکھتے ہوئے بامحاورہ ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ بھی مثنوی کی ہیئت میں ہے۔ طباعت کے اعتبار سے منظوم تراجم کی تاریخ میں چوتھا ترجمہ **وحی منظوم** ہے جو علامہ سیماب اکبر آبادی (م:۱۹۵۱ء) کا نظم کردہ ہے۔ یہ بھی مثنوی ہیئت میں ہے اور اب تک اس کی چھ اشاعتیں عمل میں آچکی ہیں، سب سے پہلی اشاعت ۱۹۸۱ء میں عمل میں آئی۔ سیماب کے ترجمے کو بہ اعتبار تخلیق وتسوید اثرؔ زبیری کے ترجمے پر اوّلیت حاصل ہے۔ ۱۹۸۵ء میں سید شمیم رَجَز (م:۲۰۱۲ء) کا ترجمہ **مثنوی آب رواں** طباعت کے زیور سے آراستہ ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۵ء میں اظہار القرآن لاہور سے شائع ہوا۔ جیساکہ نام سے ظاہر ہے کہ مثنوی ہیئت میں ہے اور مفہومی ترجمہ ہے۔ ۱۹۸۶ء میں مطبع نظامی لکھنؤ سے سید محمد محسن کا مثنوی ہیئت میں **منظوم اُردو ترجمہ** چھپ کر منظر عام پر آیا، یہ ترجمہ فنی اور مفہومِ قرآن ہر دو اعتبار سے نقائص اور خامیوں سے بھرپور ہے۔

ماقبل مذکور تمام تراجم مثنوی ہیئت میں ہیں، نظم آزاد میں قرآن مجید کے ترجمے کی داغ بیل عبد العزیز خالدؔ (م:۲۰۱۰ء) نے ڈالی، جن کا ترجمہ بہ عنوان **فرقانِ جاوید** ۱۹۸۸ء میں مقبول اکیڈمی لاہور سے اشاعت پذیر ہوا۔ فاضل نظم نگار نے ترجمہ نظم کرنے کے لیے ایک بحر کو منتخب کرنے کے بجائے کئی بحور کا استعمال کیا۔ اس ترجمے کی خاص بات یہ ہے کہ لفظی ترجمہ ہے اور متنِ قرآن کے بہت قریب ہے۔ اس کی اب تک دو اشاعتیں عمل میں آچکی ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں میرزا خادم ہوشیار پوری (م:۱۹۹۴ء) کی مثنوی ہیئت میں تین جلدوں پر مشتمل قرآن مجید کی ترجمانی بہ عنوان **وجدانِ سلیم** زیورِ اشاعت سے مرصع ہوئی جس کی اشاعت کا اہتمام دار الاشاعت ادارۂ آئینہ ایام گوجرانوالہ نے کیا۔ ۱۹۹۶ء میں ڈاکٹر احمد حسین احمدؔ قریشی قلعہ داری کا نظم کردہ مثنوی ہیئت میں مفہومی ترجمہ **مفاہیم القرآن** ادارۂ اشاعۃ القَرشیہ قلعہ دار ضلع گجرات سے اشاعت پذیر ہوا، جس کی اب تک تین اشاعتیں عمل میں آچکی ہیں۔

اکیسویں صدی میں سب سے پہلا منظوم ترجمہ سجاد احمد ساجدؔ مراد آبادی (م:۲۰۱۳ء) کا **لوحِ محفوظ** منصۂ شہود پر آیا، جس کا سن اشاعت ۲۰۰۳ء ہے اور اشاعت کا اہتمام الخلیل پاکستان ایجوکیشن ویلفیئر سوسائٹی (رجسٹرڈ) کراچی نے کیا ہے۔ ۲۰۰۴ء میں عطاء اللہ عطا قاضی کے نظم کردہ مفہومی ترجمے **مفہوم القرآن** کی پہلی اشاعت عمل میں آئی۔ بعد ازاں ایک اشاعت اسی نام سے اور تیسرا

ایڈیشن **روح القرآن** کے عنوان سے شائع ہوا۔ ۲۰۰۵ء میں سلیم اختر فارانی (م:۲۰۰۷ء) کا **منظوم اُردو ترجمۂ قرآن مجید** منظر عام پر آیا جو بہ قولِ مترجم نظم معریٰ میں ہے، جب کہ فی الحقیقت نظم آزاد میں ہے۔۲۰۰۶ء میں دو منظوم ترجمے زیورِ طبع سے آراستہ ہوئے، دونوں نظم نگاروں نے نظمِ آزاد کا پیرایہ اختیار کیا ہے۔ ایک ترجمہ ہندوستان کے شہر بلرام پور سے شائع ہوا، جب کہ دوسرا ملتان پاکستان سے؛ اوّل کے تخلیق کار انجم عرفانی ہیں، جب کہ ثانی کے پروفیسر حسین سحر ہیں۔انجم عرفانی کے ترجمے کا عنوان **منظوم القرآن** ہے۔ مکمل صورت میں اب تک اس کے دو ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں: ایک اُردو رسم الخط میں اور ایک ہندی رسم الخط میں۔حسین سحر کے ترجمے کا عنوان **فرقانِ عظیم** ہے۔ اس کی بھی اب تک دو اشاعتیں عمل میں آچکی ہیں، صوتی اور ویب ایڈیشن اس کے علاوہ ہیں۔

۲۰۰۷ء میں پروفیسر محمد سمیع اللہ اسدؔ(م:۲۰۱۳ء) کا ترجمہ **قرآنِ منظوم** کے عنوان سے پانچ جلدوں پر مشتمل کولکاتا سے اشاعت پذیر ہوا۔ اس ترجمے کی خاص بات ترجمے کے ساتھ فرہنگ بھی ہے۔ سمیع اللہ اسدؔ نے ترجمۂ قرآن نظم کرتے ہوئے اصنافِ نظم میں سے بہ اعتبار ہیئت مثنوی کو منتخب کیا ہے اور بحورِ شاعری میں سے بحرِ رمل کا۔۲۰۰۸ء میں جڑانوالہ، فیصل آباد سے محمد امین میاں کا ترجمہ بہ عنوان **نظم القرآن** شائع ہوا، جس کی بابت مترجم کا دعویٰ تو منظوم ترجمۂ قرآن کا ہے، مگر پورے ترجمے میں مصرع نما کسی بھی دو سطروں پر شعر کا اطلاق کرنا کسی بھی اعتبار سے درست نہیں ہے۔ بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مترجم فنِ شاعری سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتے۔۲۰۱۱ء میں علامہ چودھری اصغر علی کوثر وڑائچ کا ترجمہ بہ عنوان **منظوم مفہوم قرآن مجید** پاکستان لٹریچر اکیڈمی لاہور سے مطبوع ہوا، یہ ترجمہ لفظی اور مثنوی ہیئت میں ہے۔ ۲۰۱۴ء میں بریگیڈیئر ڈاکٹر مختار عالم کا ترجمہ **منظوم مضامین القرآن المجید** کے عنوان سے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے اشاعت پذیر ہوا۔ اس نام وَر یونی ورسٹی سے شائع ہونے کے باجود اس کی کسی شعر نما سطر پر شعر کا اطلاق نہیں ہوتا۔فاضل مترجم قافیہ وردیف سے ناآشنا ہونے کے ساتھ ساتھ اُردو زبان وبیان کے بنیادی قواعد سے بھی نابلد ہیں۔اِس ترجمے کا ایک ہندی ورژن **کاویا سار** کے عنوان سے بھی شائع ہوچکا ہے۔

راقم کی معلومات کی حد تک اب تک مکمل مطبوعہ منظوم تراجم کی تعداد انیس ہے، اِن کے علاوہ کئی اور بھی مکمل ہیں، مگر یا جزوی طور پر شائع ہوئے ہیں یا ابھی مسودوں کی صورت میں ہیں۔

مطبوعہ جزوی تراجم کی تعداد دو سو سے زائد ہے۔ ذیل میں سب سے پہلے مکمل مطبوعہ **منظوم اُردو ترجمۂ قرآن** کا جائزہ لیتے ہیں۔

تعارفِ نظم نگار مترجم

آپ کا نام شمس الدین، تخلص شائق ایزدی اور لقب شمس الھند صوفی معنوی ہے۔ آپ لاہور میں مسجد وزیر خان کے قریب چوہٹہ مفتی باقر میں رہتے تھے،(۱) تخمیناً آپ کی ولادت کا سال ۱۸۶۴ء ہے۔(۲) ابتدائی تعلیم کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کرلی تھی۔(۳) گورداس پور میں محکمۂ بندوبست میں مہتمم مطبع تھے، لاہور میں آپ کا اپنا مطبع "مطبع شمس الہند" کے نام سے تھا،(۴) اخبار **رفارمر** لاہور سے بہ طور ایڈیٹر بھی وابستہ رہے،(۵) آپ لاہور کے ایک نہایت زندہ دِل، ذی علم بزرگ(۶) اور ایک خوش گو شاعر تھے،(۷) فارسی اور اُردو نظم و نثر میں مہارت تامہ رکھتے تھے،(۸) مگر فضول نظمیں کہنے اور بے کار غزلیں لکھنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کیا، بلکہ اپنی شعری قابلیت کو اسلام کی خدمت میں لگایا۔(۹) طبیعت

۱۔ محمد دین کلیم قادری (م:۱۹۸۹ء)، "لاہور کے مفسرین ومترجمین قرآن مجید"، مشمولہ ماہ نامہ عرفات (**لاہور کے مفسرین ومترجمین قرآن مجید نمبر**)،لاہور، ۳۱: ۱۱ و۱۲، (۱۹۸۹ء)، ۴۷۔

۲۔ شائق ایزدی کے حالاتِ زندگی تو معلوم نہیں ہوسکے، البتہ تاریخ پیدائش کا اندازہ راقم نے اس طرح لگایا ہے کہ آپ نے اپنے منظوم ترجمے کا اختتام ۱۱ر ستمبر ۱۹۲۳ء کو کیا ہے اور اس وقت اپنی عمر تخمیناً انسٹھ سال بتائی ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ غالباً ۱۸۶۴ء میں پیدا ہوئے، دیکھیے: شمس الدین شائق ایزدی، **منظوم اُردو ترجمہ** (لاہور: کریمی پریس ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۳ء، ۳: ۲۹۶۴۔

۳۔ قادری، مرجع سابق، ۴۷۔

۴۔ شمس الدین شائق ایزدی، **منظوم اُردو ترجمہ** (لاہور: کریمی پریس ۱۳۳۶ھ)، ا، ب۔

۵۔ لالہ سری رام (م: ۲۵ر مارچ ۱۹۳۰ء)، **تذکرۂ ہزار داستان المعروف بہ خمخانہ جاوید** (دہلی: ہمدرد پریس ۱۹۲۶ء)، ۴: ۴۶۰۔

۶۔ روزنامہ انقلاب، لاہور، ہفتہ وار ایڈیشن،مدیر، مولانا غلام رسول مہر، ۱۱: ۱۹۳، ۲۴ر نومبر ۱۹۳۶ء/ ۹ر رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ یوم سہ شنبہ، ۵۔

۷۔ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی (م:۱۹۷۲ء)، "ادیب اور مصنف" مشمولہ **نقوش لاہور نمبر**، لاہور (فروری ۱۹۶۲ء)، ۹۳۲۔

۸۔ **روزنامہ انقلاب**، لاہور، اشاعت سابق، ۵۔

۹۔ پانی پتی، "ادیب اور مصنف" مشمولہ نقوش لاہور نمبر۲، مدیر: محمد طفیل، ادارہ فروغِ اُردو لاہور، ۹۲ (فروری ۱۹۶۲ء)، ۹۳۲۔

بہت دشوار پسند تھی، ایک ہی قافیے میں زیادہ طبع آزمائی کیا کرتے تھے، کلام میں لطف اور وجد موجود ہے اور مضمون آفرینی کی شان اُن کے اشعار سے پیدا ہے۔ بہ قول لالہ سری رام (م:۱۹۰۳ء) صاحب **خمخانہ جاوید**، شمس الدین شائق ۱۸۹۵ء میں لاہور کے مشاعروں میں شریک رہتے تھے۔(۱۰)

وفات

مولانا شمس الدین شائق کا انتقال پُر ملال ۱۸/ نومبر ۱۹۳۶ء بہ مطابق ۲/ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ کو لاہور میں ہوا۔(۱۱) مشہور شاعر خواجہ دل محمد (م:۱۹۶۰ء) نے قطعۂ وفات لکھا ہے:

آہ! شمس الدین شائق چل بسے
دوستوں کو رنج بے پایاں ہوا
عرض کی دلؔ نے یہ تاریخ وفات
"انتقالِ ناظمِ قرآں ہوا"(۱۲)

تصانیف

تلاش بسیار کے باوجود مولانا شائق کی مستقل تصانیف کا سراغ تو نہیں ملا البتہ **کشف المحجوب** اور شیخ علی ہجویری المعرف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی طرف غلط طور پر منسوب کتاب **کشف الأسرار** کے اُردو تراجم راقم کو دست یاب ہوسکے ہیں جو اسلامیہ سٹیم پریس لاہور سے ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء میں طبع ہوئے(۱۳) اور اس کے بعد اُردو ترجمہ **کشف الأسرار** کو سید میرک شاہ اندرابی (م:۱۳۹۳ھ/

۱۰۔ سری رام، مصدر سابق، ۴: ۴۶۰۔

۱۱۔ **روزنامہ انقلاب**، اشاعت سابق، ۵۔

۱۲۔ پانی پتی، مرجع سابق، ۹۳۳-۹۳۲۔

۱۳۔ **کشف المحجوب** اور **کشف الأسرار** کا اُردو ترجمہ بہ عنوان "**کشف المحجوب اُردو معہ فقرنامہ مشہور بہ کشف الأسرار**" شیخ الٰہی بخش و محمد جلال الدین تاجران کتب لاہور کی فرمائش پر ۱۳۶۴ھ/ ۱۹۲۷ء میں اسلامیہ سٹیم پریس لاہور سے شائع ہوا۔ دونوں کتابیں الگ الگ سرورق کے ساتھ ایک جلد میں شائع ہوئیں۔ **کشف المحجوب** کے سرورق پر مترجم کا نام نہیں ہے، جب کہ **کشف الأسرار** کے سرورق پر مترجم کا نام اس طرح لکھا ہے: مترجمہ: مولانا شمس الہند۔ ایزدی۔ صوفی معنوی؛ **کشف الاسرار** سولہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے ساتھ حبیب اللہ منشی کی تحریر کردہ شیخ علی ہُجویری کی مختصر سوانح عمری بھی ہے ...اہل تحقیق کے نزدیک **کشف الأسرار** حضرت داتا

۱۹۷۳ء) [۱۴] نے محشی کرکے مصنف کی وفات کے بعد ۱۹۵۵ء میں ملک سراج الدین اینڈ سنز تاجران کتب لاہور سے طبع کرایا۔[۱۵] مقبول اکیڈمی لاہور سے **کشف المحجوب** کا ایک ترجمہ مترجم کے نام کے بغیر بھی شائع ہوا تھا جو بہ قول راجا رشید محمود، مولانا شمس الہند کا ہی ہے۔[۱۶] روزنامہ **انقلاب** لاہور کی

گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی طرف غلط طور پر منسوب ہے... پھر چار سواسّی صفحات پر مشتمل **کشف المحجوب** کا ترجمہ ہے جس کے آخر میں منشی خورشید احمد صمصام کا تحریر کردہ قطعۂ تاریخ طباعت بہ زبانِ فارسی بھی ہے۔

۱۴- سید میرک شاہ اندرابی صفر ۱۳۰۶ھ/ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو حضرت سید شاہ مصطفیٰ (م:۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء) کے گھر پیدا ہوئے، والد محترم کا شمار وقت کے مشائخ کرام میں ہوتا تھا۔شاہ اندرابی نے ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں قرآن مجید کے حفظ کی تکمیل کی سعادت حاصل کی۔ تکمیلِ حفظ کے بعد علوم مروّجہ صرف ونحو، منطق وفلسفہ، فقہ واُصول، معانی اور حدیث وتفسیر کی تحصیل اپنے والد کے علاوہ مولانا سید احمد سعید اندرابی، مولانا مفتی محی الدین کدمی اور مولانا محمد حسین وفائی سے کی۔علامہ سید محمد انور شاہ محدث کشمیری (م:۱۳۵۲ھ/۱۹۳۴ء) کے مشورہ اور شوق دلانے پر مزید تعلیم کے حصول کے لیے دار العلوم دیوبند میں داخل ہوگئے۔ سات سال تک دار العلوم کے اکابر اساتذہ سے مستفید و مستفیض ہوتے رہے۔۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں وہاں کے اساتذہ کی ہدایت پر پنجاب یونی ورسٹی لاہور سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور یونی ورسٹی بھر میں اوّل آنے پر طلائی تمغے کے ساتھ ایک سال کے لیے تیس روپے ماہانہ بھی حاصل کیا۔۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء میں منشی فاضل کے امتحان میں شرکت کی اور کام یابی حاصل کی۔ تکمیل تعلیم کے بعد پاک وہند کی نام وَر جامعات ومدارس میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔دار العلوم دیوبند، دار العلوم مئو اعظم گڑھ، جامعہ امدادیہ مراد آباد میں تشنگانِ علوم دینیہ کو سیراب کرتے رہے۔ تبلیغ کالج کرنال (ہندوستان) میں صدرِ شعبۂ اسلامیات کی حیثیت سے بھی فرائض سرانجام دیتے رہے۔۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء اورینٹل کالج پنجاب یونی‌ورسٹی لاہور میں پروفیسر شعبۂ فارسی تعینات ہوئے، یہاں سے سبک دوشی کے بعد سکھر کے ایک دینی مدرسے میں بہ طور شیخ الحدیث بھی دینی خدمات سرانجام دیں، بعد ازاں جامعہ مدنیہ لاہور سے وابستہ ہوگئے۔مولانا میرک شاہ اندرابی نے مختلف موضوعات پر عربی، فارسی اور اُردو میں چھوٹی بڑی کوئی چالیس علمی وتحقیقی تصنیفات یاد گار چھوڑی ہیں۔مولانا اندرابی ۲۶ر جمادی الثانی ۱۳۹۳ھ/ ۲۷ر جولائی ۱۹۷۳ء کو عالم بقا کو رحلت کرگئے اور ماڈل ٹاؤن لاہور کے شہر خموشاں میں آخری آرام گاہ پائی۔ **ملخص از:** محمد نذیر رانجھا، **تذکرہ علمائے اہل سنت وجماعت پنجاب** (لاہور: دار الکتاب اگست ۲۰۰۹ء)، ۲: ۴۴۳-۴۲۷۔

۱۵- محمد دین کلیم قادری، ماہ نامہ **عرفات (لاہور کے مفسرین ومترجمین قرآن مجید نمبر)**، ۵۰۔

۱۶- راجارشید محمود، "کشف المحجوب کے اُردو تراجم اور اُن کے مقدمات"، مشمولہ **مجلہ معارف اولیاء**، لاہور، ۵:۱ (۲۰۰۷ء/ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ)، ۲۴۴- ۲۴۵؛ **کشف المحجوب** کے اس اُردو ترجمے کے شروع میں مترجم نے لکھا ہے: **کشف الاسرار** اور **کشف المحجوب** کے ترجموں کی سعادت حق تعالیٰ نے اس عاجز بندہ کو بخشی۔سلسلۂ

۲۴؍نومبر ۱۹۳۶ء کی اشاعت کے مطابق آپ نے بہت سی فارسی کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کیا،[۱۷] مگر ان سب میں اہم مثنوی معنوی کی طرز پر قرآن مجید کا منظوم اُردو ترجمہ ہے۔

مولانا شائق نے خاص اپنے دلی شوق سے مسلمان بچوں اور بچیوں کی خاطر قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کیا۔ امرتسر میں ایک بڑے اسلامی جلسے میں پہلے پارے کا منظوم ترجمہ پڑھ کر سنایا گیا، جسے علما ورؤسائے جلسہ نے پسند کیا۔ میر جلسہ جناب خان بہادر شیخ خدا بخش (ڈسٹرکٹ جج) کو اتنا پسند آیا کہ انھوں نے اس کی طباعت کی فرمائش کے ساتھ گیارہ سو کاپیوں کی قیمت بھی ادا کردی۔ مولوی محمد حسن (مدرس، مشہور ومعروف ریاضی دان) نے بھی پانچ سو کاپیوں کا ہدیہ مولانا شائق کو پیش کردیا۔[۱۸] پہلے پارے کا یہ منظوم ترجمہ **نظم البیان فی مطالب الفرقان** کے نام سے گورداسپور سے چھپا اور اس کے بعد مختلف جگہوں سے بار بار چھپتا رہا۔ مولانا ایزدی عرف صوفی معنوی "ضروری التماس مؤلف" کے تحت لکھتے ہیں:

خدا کے فضل سے وہ اِس قدر مقبولِ خلائق ہوا کہ صرف مؤلف کے اپنے مطبع (شمس الہند) میں تقریباً ستائیس دفعہ بار بار ہزار ہا کی تعداد کثیر میں چھپ کر ہاتھوں ہاتھ ہدیہ ہوتا رہا۔ ماسوا اس کے دہلی، لکھنؤ، آگرہ، کانپور، کلکتہ، پٹنہ، بانکی پور، ممبئی، حیدر آباد، میسور، بنگلور وغیرہ میں بھی بہ اوقات مختلفہ کئی دفعہ چھپوایا گیا۔[۱۹]

مطبع شمس الہند لاہور کا مطبوعہ **نظم البیان فی مطالب القرآن** راقمِ سطور کے پیش نظر ہے۔ عنوانِ کتاب جلی حروف میں لکھا ہوا ہے، مگر اس میں لفظ مطالب کی "ب" پر بجائے کسرہ کے ضمہ ہے۔ کاتب کی اِس فاش غلطی کو مولانا ایزدی نے بغیر اصلاح کے چھوڑ دیا ہے۔ یہ غالباً اس کی پہلی اشاعت بھی نہیں ہے۔ یہ کل ۴۷+۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ فاضل مترجم نے اِس میں یہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ جزوِ آیت کو لیتے ہیں اور دو کالموں میں اس کا منظوم مفہوم بیان کرتے ہیں۔ ہر صفحے پر چھے

تصنیف وتالیف وتراجم میں سب سے پہلا کام **کشف المحجوب** کا ترجمہ ہے جو بہت مقبول ہوچکا ہے۔ یہ ترجمہ ۴۹۹ صفحات پر مشتمل ہے اور اس پر سن طباعت نہیں ہے۔

۱۷- **روزنامہ انقلاب**، اشاعت سابق، ۵۔

۱۸- **منظوم اردو ترجمہ**، ۱: ب۔

۱۹- نفسِ مصدر۔

اشعار ہیں۔ محتاط اندازے کے مطابق اس میں ابیات کی تعداد ۴۴۴ (چار سو چوالیس) ہے۔ محتاط اندازہ اس لیے ہے کہ راقم کے پاس جو نسخہ ہے اُس کا آخری ورق پھٹا ہوا ہے۔ اس پر سنہ طباعت کا بھی کہیں ذکر نہیں۔

اِس اوّل پارے کے ترجمے کے بعد مولانا شمس الدین ارادۂ حج سے مکہ ومدینہ کے لیے عازمِ سفر ہوئے۔ اس مبارک سفر میں تین سال کا عرصہ لگا۔ حج کے بعد اپنے ترجمے پر نظر ثانی کی تو بجائے اس میں ترمیم کے ایک نیا ترجمہ وجود میں آگیا۔[۲۰] **منظوم اُردو ترجمہ** کے نام سے مصنف ہی کے اہتمام سے یونین اسٹیم پریس لاہور سے چھپا۔ ۴+۲۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ **نظم البیان** اور اِس ثانی الذکر نظر ثانی شدہ ترجمے میں ایک فرق حواشی کا بھی ہے۔ اس میں کہیں کہیں منظوم حواشی بھی ہیں۔ آخری دو صفحات "ضروری التماس مؤلف" کے ما سوا، سرورق پر مؤلف، کاتب، قیمت اور مطبع وغیرہ کی تمام تر ضروری معلومات نظم کے پیرایہ میں بیان کی گئی ہیں۔ اس ترجمے کی قیمت درج ذیل شعر میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

ہدیہ فی پارے کا چار آنے ہے بس
اور فقط اللہُ بس باقی ہوس

مطبع کی معلومات اس شعر سے مہیا ہوتی ہیں:

یونین اسٹیم مطبع میں چھپا
جو کہ ہے لاہور میں مطبع بڑا

کاتب کے متعلق معلومات فراہم کرتا یہ شعر ملاحظہ ہو:

کاتب ایں نقل قرآن مجید
ہست محبوب الرقم عبد الرشید[۲۱]

یہ اشعار مولانا ایزدی کی قادر الکلامی اور کہنہ مشقی کا پتا دے رہے ہیں۔ برسوں کی ریاضت کے بعد ہی ایک شاعر کو ہر چیز نظم کرنے کا ملکہ حاصل ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے ترجمے پر نظر ثانی اور

۲۰- نفس مصدر۔

۲۱- **نظم المعانی**/ کاتب۔

ترمیم واصلاح کا سلسلہ مسلسل جاری رکھا، جس کا واضح ثبوت **نظم المعانی** اور **منظوم اُردو ترجمہ** ہے۔اگر ان پر سے مصنف کا نام ہٹادیا جائے تو یہ کہنا مشکل ہوجائے گا کہ یہ دونوں ایک ہی شاعر کی فکر کا نتیجہ ہیں۔آپ نے ﴿ وَبِٱلۡأٓخِرَةِ هُمۡ يُوقِنُونَ ﴾ [۲۲] کا ترجمہ **نظم المعانی** میں اس طرح کیا:

اور رکھتے ہیں یقین جو آخر کے روز پر
یعنی یقین جن کو ہے محشر کے سوز پر[۲۳]

ظاہر ہے کہ یہ تفصیلی ترجمہ ہے، اس پر نظر ثانی کے بعد جو ایک نیا ترجمہ معرض وجود میں آیا اب وہ ملاحظہ ہو:

اور ہوا نازل جو تجھ سے پیشتر
اور وہ رکھتے ہیں یقیں انجام پر[۲۴]

مصرع اوّل ﴿ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبۡلِكَ ﴾ [۲۵] کا ترجمہ ہے۔دوسرا ترجمہ پہلے ترجمے کی نسبت **مختصر** اور حشو وزوائد سے پاک ہے۔دوسرے ترجمے میں بھی پہلے کی طرح ہر صفحے پر دو کالم بنائے گئے ہیں اور اُن میں قرآن مجید کی منظوم ترجمانی کی گئی ہے۔یہ دونوں ترجمے تحت اللفظ ہیں، جس کی وجہ سے قرآنی آیات کو بھی ان کالموں میں اس طرح درج کیا گیا ہے جس طرح اشعار کے مصرعوں کو۔اس عمل سے جہاں قرآنی متن کی تلاوت میں دشواری آگئی ہے وہاں کوئی ناسمجھ آیات بینات کو بھی شاعری خیال کرسکتا ہے۔اوّل الذکر اور ثانی الذکر دونوں میں آیات کے نمبر نہیں لگائے گئے جس سے قاری مطلوبہ آیت کی تلاش میں دِقت میں پڑ سکتا ہے۔

اِن دو تراجم کے علاوہ راقم الحروف کے پاس مولانا ایزدی کا ایک تیسرا جزوی ترجمہ **مختصر منظوم اُردو ترجمہ** کے عنوان سے بھی ہے اور یہ پہلے تین پاروں پر مشتمل ہے۔غالب گمان یہ ہے کہ مکمل صورت میں شائع ہونے سے قبل کی اشاعت ہے۔راقمِ سطور کے پاس جو نسخہ ہے وہ ناقص الآخر

۲۲- القرآن ۲: ۴۔

۲۳- شمس الدین شائق ایزدی، **نظم البیان فی مطالب الفرقان** (پارہ اوّل)، (لاہور: شمس الہند پریس)، ۳۔

۲۴- شمس الدین شائق ایزدی، **منظوم اُردو ترجمہ** (پارہ اوّل) (لاہور: یونین اسٹیم پریس، س ن)، ۴۔

۲۵- القرآن ۲: ۴۔

ہے۔ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۷۷ تک ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ہر صفحے پر چار کالم بنائے گئے ہیں اور آیات بینات کے نمبر بھی لگادیئے گئے ہیں، مگر قرآنی آیات کو مصرع کی اتباع میں مثلِ اشعار لکھا گیا ہے۔ اس نسخے پر سنہ طباعت ہے نہ جاے اشاعت کا ذکر۔ اس میں موجود حواشی کا نام فاضل مصنف نے **فرقان حمید** رکھا ہے۔ مصنف نے اصلاح وترمیم کا سلسلہ اس میں بھی جاری رکھا۔﴿ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبۡلِكَ وَبِٱلۡأٓخِرَةِ هُمۡ يُوقِنُونَ ﴾ (۲۶) کا ترجمہ ملاحظہ ہو جس میں ترجمۂ سابق کی نسبت معمولی سی تبدیلی کی گئی ہے:

اور ہوا نازل جو تجھ سے پیشتر
اور وہ رکھتے ہوں یقیں انجام پر (۲۷)

نظم البیان کے اِن تین پاروں کی اشاعت کے بعد غالباً مصنف کو ترجمہ مکمل کرنے اور اس کو طبع کرانے کا خیال پیدا ہوا۔ ۱۳۳۶ھ [۱۹۱۸ء] تک مولانا ایزدی دس پاروں کا ترجمہ مکمل کر چکے تھے اور اسی سال یہ دس پاروں کا ترجمہ ***مختصر منظوم اُردو ترجمہ*** کے عنوان سے کریمی پریس لاہور سے چھپا۔ اس کی کتابت غلام رسول نامی کاتب نے کی۔ ان باتوں کی شہادت کتاب کے سرورق سے اس طرح ملتی ہے:

راقم العاجز فقیر سرمدی — بندہ شمس الدین شائق ایزدی
عرف (شمس الہند) صوفی معنوی — ساکنِ لاہور بابِ اکبری
پنجم ذیقعد دو شنبہ رَواں — سی و شش برسیزدہ صد سال واں
بندۂ کمترین غلام رسول — ایں کتاب نمود بہر قبول

مولانا شائق ایزدی نے یہ ترجمہ آٹھ سال کی محنت شاقہ کے بعد ۲۸؍ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ بہ مطابق ۱۱؍ ستمبر ۱۹۲۳ء بروز سہ شنبہ بہ وقت ظہر مکمل کیا۔ فاضل مصنف آخری جلد میں رقم طراز ہیں:

۲۶- القرآن ۲: ۴۔

۲۷- شمس الدین شائق ایزدی، ***مختصر منظوم اُردو ترجمہ*** (پہلے تین پارے) (مطبع، س ن)، ۴۔

ایں کارِ خیر ترجمۂ منظومِ قرآنِ مجید بطرزِ مثنوی شریف حضرتِ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بزبانِ اُردو بتاریخ ۲۸/ ماہِ محرم الحرام ۱۳۴۲ ہجری المقدس مطابق ۱۱/ ماہِ ستمبر ۱۹۲۳ء، و۲۶/ ماہِ بھادوں ۱۹۸۰ ہندی بروز سہ شنبہ بوقت مبارکِ ظہر، تخمیناً در سال پنجاہ ونہم عمر خود، بعرصۂ قریباً ہشت سال بافعال ایزدِ متعال بہ انجام رسانیدم۔ الحمد للہ والشکر للہ حمداً وشکراً کثیراً۔ بندہ محمد شمس الدین شائق مؤلف۔[۲۸]

مولانا ایزدی نے اختتامِ ترجمہ پر قطعۂ تاریخ بھی لکھا ہے، ملاحظہ ہو:

شائقاً از فضلِ ربّ انس و جان — ہو گیا ختم یہ نظم البیان

آج پورا ہو گیا نظم البیان — لکھ یہ سال بر ختم "الکتاب"[۲۹]

درج بالا اقتباس اور قطعۂ تاریخ سے اب یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ **نظم المعانی** جو کہ تین جلدوں میں ہے اس کے ترجمے اور طباعت کا کام دونوں ساتھ ساتھ جاری رہے۔ جلد اوّل ۱۹۱۸ء میں طبع ہوئی۔ جلد دوم کے بارے کوئی اندرونی اور بیرونی شہادت ایسی نہیں ملتی جس سے اس کی طباعت کے سال کا تعین ہوسکے۔ آخری جلد کے ترقیمے سے اس کی طباعت کا سال ۱۹۲۳ء معلوم ہوتا ہے۔ تینوں جلدیں کریمی پریس لاہور سے طبع ہوئیں؛ ہر جلد دس پاروں پر مشتمل ہے اور کل صفحات ۲۹۶۶ ہیں۔

اظہارِ تعلّی وتفاخر

مولانا شمس الدین شائق نے اپنے ترجمے کے دیباچے میں بلند بانگ دعویٰ کیا ہے کہ اُن کا منظوم ترجمہ ہندی زبان کا قرآن ہے۔ شائق نے چوں کہ مثنوی مولانا روم کی بحر استعمال کی ہے، یقینا مثنوی کو دیکھ کر ہی قرآن مجید نظم کرنے کا خیال پیدا ہوا ہوگا اور مولانا جامی مولانا روم کی مثنوی کو فارسی زبان کا قرآن قرار دے چکے ہیں۔ آپ کے مثنوی کے متعلق یہ اشعار مشہور ہیں:

مثنویِّ مولویِّ معنوی — ہست قرآں در زبانِ پہلوی

من چہ گویم وصفِ آں عالی جناب — نیست پیغمبر و لے دارد کتاب

۲۸- **منظوم اُردو ترجمۂ قرآن**، ۳: ۲۹۶۴۔

۲۹- نفس مصدر، ۲۹۶۵۔

(مولوی معنوی کی مثنوی فارسی زبان میں قرآن ہے۔ اس عالی جناب کی تعریف میں کیا کر سکتا ہوں۔ وہ پیغمبر تو نہیں لیکن صاحب کتاب ضرور ہے۔)

مولانا شائق تصور کی آنکھ سے مولانا جامی کو اپنے ترجمۂ قرآن کے بارے میں اس طرح رطب اللسان دیکھتے ہیں:

پس یہی ایما ہے حضرت کا یہاں	کہ حقیقت میں یہی نظم البیان
مثنویِّ معنیٔ قرآن ہے	یہ زبانِ ہند میں فرقان ہے
مثنویِّ شائق شیریں بیاں	ہست قرآں در زبانِ ہندیاں[۳۰]

کسی بھی زبان کا کوئی فن پارہ خواہ وہ ادب کی اوجِ ثریا پر ہی کیوں نہ متمکن ہو، اسے اُس زبان کا قرآن مجید قرار دینا تعلّی وتفاخر کے سوا کچھ نہیں۔

اُسلوبِ ترجمہ

مولانا ایزدی نے مولانا رومؒ کی مثنوی کی طرز پر **مثنوی معنوی** ہی کی زمین یعنی بحر رمل میں قرآن مجید کا یہ منظوم ترجمہ کیا، جو بہ قول مترجم تحت اللفظ، نہایت سلیس، سادہ اور عام فہم ہے۔ ترجمے کے سرورق پر تحریر ہے:

مثنوی معنوی کے رنگ میں	اِک نئی طرز اور نرالے ڈھنگ میں
صاف شُستہ سہل اور آسان تر	تحت لفظی اور مسلسل سربسر
یہ ہے شمس الہند شمس الدین کا کام	شائق اس کے ہوچکے ہیں خاص و عام[۳۱]

مولانا شمس الہند کے ترجمہ کی یہ خصوصیت ہے کہ سرورق سے لے کر آخر صفحے تک منظوم ہے ماسوا ضروری التماس مؤلف کے، جو صفحہ ب اور ج پر محیط ہے۔ صفحہ د پر ۴۲ ابیات پر مشتمل دیباچہ ہے، جس میں قرآن مجید کے ترجمہ کرنے کی غرض وغایت اور اپنے مآخذ ومصادر کا بیان کیا گیا ہے۔ ترجمے کے آغاز سے قبل چار صفحات مزید زائد ہیں؛ صفحہ ۱ سے ۳ تک "چند اصول الترجمہ قرآن" کے عنوان سے فارسی اور اُردو اشعار میں ترجمۂ قرآن کے اصولوں کو بیان کیا گیا ہے۔ صفحہ ۴ پر "نظم

۳۰۔ *منظوم اُردو ترجمہ*، ا: د۔

۳۱۔ ا: د۔ دوسرا اور تیسرا شعر خارج از وزن ہیں۔ تیسرا شعر کلام تو کجا، جملہ بھی نہیں بن سکا۔

در بیان رموز واوقاف قرآن مجید" کے عنوان سے فارسی میں نظم ہے۔ ان ۸ زائد صفحات کے بعد دوسرا سرورق (Title Page) ہے، اس صفحات کے نمبر از سر نو شروع ہوتے ہیں۔ تینوں جلدوں کے صفحات کی کل تعداد (۲۹۶۶+۴+۴) ۲۹۷۴ ہے۔ ہر صفحے میں دو کالم بنائے گئے ہیں۔ آیت یا جزو آیت کو لے کر اس کے تحت دو کالموں میں اُس کا ترجمہ نظم کیا گیا ہے۔

مولانا شائق نے تسوید وتبیض کے وقت اس بات کا اہتمام کیا کہ الفاظِ قرآنی کے نیچے ترجمہ ہو اور ترجمہ ہر جملے کا اُس کے نیچے لکھا جائے۔ یعنی الفاظ قرآن اور ترجمہ اوپر نیچے ہوں تا کہ قاری میں بہ راہِ راست قرآن فہمی کا ذوق پیدا ہو۔ یہ ترجمہ تحت اللفظ ہونے کے ساتھ ساتھ نظم میں ہے جس کی وجہ سے ایک نقص بھی پیدا ہوگیا کہ قرآنی آیات کو بیت کے مصرعوں کی سی شکل میں لکھا گیا ہے جو کہ بے ادبی کے زمرے میں آتا ہے۔

ترجمۂ قرآن کے مصادر ومآخذ

قرآن مجید کے معنی ومفہوم کو نظم کرتے وقت مولانا شائق ایزدی کے پیش نظر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م:۱۱۷۶ھ) کا **فتح الرحمن**، حضرت شاہ عبد القادر (م:۱۲۴۲ھ) کا **موضح قرآن** اور حضرت شاہ رفیع الدین (م: ۱۲۴۹ھ) کا ترجمہ تھا۔ مولانا ایزدی کے بہ قول انھوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ منظوم ترجمہ ان تینوں تراجم سے باہر نہ ہو اور کسی قسم کا اضافہ نہ کرنا پڑے۔ فاضل مصنف خود رقم طراز ہیں:

پس یہ نسخہ ہے پئے عام — اور خصوصاً ہے پئے تفہیم عام
ترجمہ جو لکھ گئے ہیں فارسی — شاہ ولی اللہ دہلوی
اور اُردو شاہ رفیع الدین کا — اور جو شاہ عبد القادر نے کیا
ترجمہ یہ ہے مطابق اُن کے ہی — کچھ کمی بیشی نہیں اس میں کوئی

مولانا شائق مزید لکھتے ہیں: حتی الامکان وحتی الوسع اصل ترجمہ سے زائد الفاظ کا کوئی استعمال نہیں کیا گیا۔ بظاہر جو کچھ الفاظ کسی جگہ کسی ضرورت سے لیے گئے ہیں وہ خاص اسی مطلب کو ادا کرنے کے لیے ہیں۔ وہ بھی خاص الفاظ قرآنی کے الف لام اور تنوینات وغیرہ کے ہی معنی ہیں۔[۳۲]

۳۲- **منظوم اردو ترجمۂ قرآن**، ۱: ج۔

ان تراجم کے علاوہ کچھ اور تراجم بھی آپ کے پیشِ نظر تھے، جن میں خاص طور پر مولانا عبد الحق حقانی کا **ترجمۂ حقانی** اور ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ۔[۳۳]

درج بالا اشعار اور اقتباس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا شمس الدین ایزدی نے براہِ راست قرآن مجید کا ترجمہ نہیں کیا، بلکہ قرآن مجید کے متذکرہ بالا نثری تراجم کو نظم کا جامہ پہنایا۔ فاضل مترجم بڑی حد تک تو اپنے دعوے کو نبھانے میں کامیاب رہے ہیں، مگر بسا اوقات شعری بندشوں اور اوزان وبحور کی کڑی پابندیوں کی وجہ سے اپنے پیشِ نظر تراجم کے مفاہیم سے بہت دور چلے گئے ہیں۔ اوّلاً وہ مثال پیش کی جاتی ہے کہ جس میں فاضل مصنف اپنے دعویٰ کے مطابق نثری تراجم کو نظم کے دھاگے میں پرونے میں کام یاب ٹھہرے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

إِنَّ ٱللَّهَ يَأۡمُرُكُمۡ		أَن تُؤَدُّواْ
بے شک اللہ ہے تمھیں فرما رہا		یہ کہ تم پہنچا دو۔ خود کر دو ادا
ٱلۡأَمَٰنَٰتِ		إِلَىٰٓ أَهۡلِهَا
کل امانات (اپنی ہاں رکھی ہوئی)		اُن کے اہلوں اُن کے حق داروں کو ہی
وَإِذَا حَكَمۡتُم		بَيۡنَ ٱلنَّاسِ
اور یہ کہ جب کبھی فیصلہ کرو		درمیاں لوگوں کے (جو جھگڑا کہ ہو)
أَن تَحۡكُمُواْ		بِٱلۡعَدۡلِۚ
تو کرو تم فیصلہ ہر طرح سے		ساتھ پورے عدل اور انصاف کے
إِنَّ ٱللَّهَ نِعِمَّا		يَعِظُكُم بِهِۦٓۗ
درحقیقت حق تعالیٰ خوب ہی		پند دیتا ہے تمھیں اِس سے بڑی۔
إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ		سَمِيعَۢا بَصِيرٗا[۳۴]

۳۳۔ **مختصر منظوم ترجمہ**، ۱: ص۔

۳۴۔ القرآن ۴: ۵۸۔

بے شک اللہ پاک ہے خود برملا		سب کی سنتا۔ سب کی حالت دیکھتا [۳۵]

شعر اوّل کے مصرع اوّل میں شاہ عبد القادر کی اتباع میں[۳۶] میں مولانا شمس الہند نے ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ﴾ کا ترجمہ "بے شک اللہ ہے تمھیں فرما رہا" کیا ہے، شعر ثانی کا مصرع ثانی شعر اوّل کے مصرع ثانی کی طرح تفصیلی ترجمہ ہے، مگر اِس میں غلط طور پر اہل کی جمع "اہلوں" لائی گئی ہے۔ عربی میں أهل کی جمع أهلون، أهال، أهال اور أهلات،[۳۷] جب کہ اُردو میں اہالی اور اہالیان[۳۸] آتی ہے۔[۳۹] اُردو میں اہل بمعنی لائق فائق اور قابل بھی استعمال ہوتا ہے [۴۰] جیسے اہل نااہل اور اہل بمعنیٰ صاحب یا والا ترکیب اضافی میں تو مستعمل ہے، تنہا نہیں۔[۴۱] شاعر کو چاہیے تھا کہ اہلِ امانت یا مالکانِ امانت کے مفہوم کے لیے ایسے الفاظ کا انتخاب کرتا جو صرف یہی معنی ومفہوم رکھتے۔ تیسرے شعر میں "ہر طرح سے" زائد ہے۔ اسی طرح آخری شعر میں "خود برملا" بھرتی کا ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود اس پیش کردہ مثال میں فاضل مترجم جہاں قرآنی مفہوم کو ادا کرنے میں بڑی حد تک کام یاب ٹھہرے ہیں وہاں شعری بندشوں کو بھی نبھانے میں بہرہ یاب ہوئے ہیں۔

اب وہ مثال پیش کی جاتی ہے کہ جس میں فاضل مترجم اوزان وقوافی کی بندشوں میں بندھ کر قرآنی مفہوم سے دور چلے جاتے ہیں اور بعض اوقات یہ دوری تحریف معنوی تک جا پہنچتی ہے۔

۳۵۔ **مختصر منظوم ترجمہ**، ا: ۳۴۴۔ ۳۴۵۔

۳۶۔ شاہ عبد القادر محدث دہلوی(م: ۱۲۴۲ھ)،**القرآن الکریم مع ترجمہ وتفسیر موضح قرآن** (کراچی: تاج کمپنی لمٹیڈ، س۔ن)، ۱۰۶۔

۳۷۔ خلیل الجر، **لاروس المعجم العربي الحديث** (مكتبة لأروس باريس، ۱۹۷۳ء)، ۱۹۴؛ عبد الحفیظ بلیلاوی، **مصباح اللغات** (کراچی:ایچ ایم سعید کمپنی اکتوبر ۱۹۸۱ء)، ۴۳۔

۳۸۔ فیروز الدین، **فیروز اللُغات اُردو** (لاہور: فیروز سنز، س۔ن)، ۱۴۲۔

۳۹۔ مولوی نور الحسن نیّر، **نور اللغات** (اسلام آباد:نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۵)، ا: ۴۲۵؛ مولوی عبد الحق (مدیر اعلیٰ)ودیگر، **اُردو لغت (تاریخی اُصول پر)** (کراچی: ترقی اُردو بورڈ، ۱۹۷۷ء)، ا: ۱۰۸۰؛ سید احمد دہلوی، **فرہنگ آصفیہ**، خورشید احمد خان (مرتب) (لاہور:مکتبہ سہیل لمیٹڈ، س۔ن)، ا: ۳۲۹؛ نور الحسن،**نور اللغات**، ا: ۴۲۵۔

۴۰۔ نورالحسن،**نور اللغات**، ا: ۴۲۶؛ دہلوی،**فرہنگ آصفیہ**، ا: ۳۳۰۔

۴۱۔ عبدالحق،**اُردو لغت**، ا: ۱۰۸۵۔

﴿إِنْ هَـٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ﴾ [۴۲] کا ترجمہ شاہ رفیع الدین دہلوی اور شاہ عبد القادر دہلوی نے بالترتیب "نہیں یہ مگر جادو ظاہر"، [۴۳] "یہ کچھ نہیں مگر جادو ہے صریح" [۴۴] کیا ہے اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جزو آیت کا ترجمہ "نیست ایں سخن مگر جادو ظاہر" [۴۵] کیا ہے۔اب مولانا شائق کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

کہ نہیں ہے یہ بیاں ہرگز صحیح
پر سراسر جھوٹ ہی بالکل صریح [۴۶]

شعر وزن میں تو آگیا مگر "سحر" کا ترجمہ "سراسر جھوٹ" نہ تو فاضل مترجم کے پیش نظر تراجم میں ہے اور نہ ہی کسی معروف مترجم قرآن نے کیا ہے۔جس شعر میں وزن کی خاطر مفہوم کو قربان کیا گیا وہ وزن میں تو آگیا مگر اُس شعر میں جان نہیں ہے۔

معنی خیزی میں نثری تراجم سے امتیاز

مولانا شائق کا ترجمہ اکثر وبیشتر تو شاعری کی نذر ہوگیا ہے، مگر بعض جگہوں پر اوزان وبحور کی پابندیوں کے باوجود ادائے مفہوم میں اُردو کے مشہور نثری تراجم سے زیادہ معنٰی خیز ہونے کی وجہ سے اُن سے ممتاز نظر آتا ہے، ذیل کی آیت مع ترجمہ ملاحظہ ہو:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ		آمَنُوْا
اے وہ لوگو! جو کہ ایماں لائے ہو		مانتے ہو جو کتاب اللہ کو
لَاتُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ		اللهِ وَرَسُوْلِهِ
مت بڑھو تم آگے(حدّ دین سے)		حق کے اور اس کے رسولِ پاک کے
وَاتَّقُوْا		اللهَ

۴۲- القرآن ۱۱: ۷۔

۴۳- شاہ رفیع الدین (م: ۱۲۴۹ء)، **قرآن مجید مع ترجمہ از شاہ رفیع الدین محدث دہلوی** (لاہور: انجمن حمایت اسلام، س۔ن)، ۲۶۵۔

۴۴- ترجمہ شاہ عبد القادر، ۲۶۸۔

۴۵- شاہ ولی اللہ محدث دہلوی(م:۱۱۷۶ھ)، **قرآن مجید مترجم مع نسخہ تفسیر حسینی** (بمبئی: مطبع محمدی، ۱۳۵۷ھ)، ۳۵۵۔

۴۶- ایزدی، **منظوم اُردو ترجمہ**، ۲: ۹۴۵۔

اور رہو عصیاں سے تم بچتے ہوئے		ڈر کر اللہ (کے عذاب اور قہر) سے
اِنَّ اللّٰہَ		سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (۴۷)
واقعی ہے حق تعالیٰ ہی سدا		سب کی سننے والا سب کچھ جانتا(۴۸)

مندرجہ بالا اشعار میں صرف پہلے شعر کا مصرع ثانی زائد ہے، اگر قوسین میں ہوتا تو زیادہ مناسب تھا۔ چوں کہ "اے وہ لوگو جو کہ ایماں لائے ہو" سے ﴿ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا﴾ کی خوب ترجمانی ہورہی ہے۔ دوسرا مصرع محض بیت کو پورا کرنے کے لیے ہے۔باقی تمام اشعار متن قرآن کا ترجمہ ہیں، کوئی لفظ ترجمہ سے رہا ہے نہ حشو وزوائد نے جگہ پائی ہے۔اضافے قوسین میں اور ترجمے کو مزید معنیٰ خیز بنا رہے ہیں۔فاضل مترجم نے جو تقویٰ کا مفہوم بیان کیا ہے وہ مشہور نثری تراجم کے مقابلے میں زیادہ وسعت رکھتا ہے۔یہاں ﴿ وَاتَّقُوْا اللّٰہَ ﴾ کا ترجمہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، عبد الرحمن کیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور ڈاکٹر طاہر القادری نے "اور اللہ سے ڈرتے رہو"(۴۹) کیا ہے اور شاہ رفیع الدین نے "اور ڈرو اللہ سے"،(۵۰) شیخ الہند نے "اور ڈرتے رہو اللہ سے"،(۵۱) مولانا جونا گڑھی نے "اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو"،(۵۲) فتح محمد جالندھری نے "اور خدا سے ڈرتے رہو"(۵۳)اور پیر کرم شاہ الازہری نے "اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے"(۵۴) کیا ہے۔قرآن وحدیث سے ماخوذ تقویٰ کے مفہوم کی جو وسعت ہے اُردو کے مشہور

۴۷- القرآن ۴۹: ۱۔

۴۸- ایزدی، **منظوم اُردو ترجمہ**، ۳: ۲۹۶۴۔

۴۹- اشرف علی تھانوی، **بیان القرآن** (لاہور: تاج کمپنی، س۔ن)، ۴۶۵؛ عبد الرحمن کیلانی، **تیسیر القرآن** (لاہور: مکتبۃ السلام، محرم الحرام ۱۴۳۲ھ)، ۴: ۲۶۷؛ محمد طاہر القادری، **عرفان القرآن** (لاہور: منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء)، ۸۲۴۔

۵۰- شاہ رفیع الدین، **القرآن الکریم مترجم اُردو مع تفسیر موضح الفرقان** (تسہیل موضح قرآن) (لاہور:چاند کمپنی، س۔ن)،۶۱۶۔

۵۱- ترجمہ محمود حسن، شیخ الہند۔

۵۲- مولانا محمد جونا گڑھی، **قرآن کریم ،مع اُردو ترجمہ وتفسیر** (مدینہ منورہ: شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس، ۱۴۱۹ھ)، ۱۴۵۵۔

۵۳- فتح محمد جالندھری، **فتح الحمید** (لاہور:تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، س۔ن)، ۸۳۸۔

۵۴- محمد کرم شاہ الازہری، **ضیاء القرآن** (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز،۱۳۹۹ھ)، ۴: ۵۷۷- ۵۷۸۔

تراجم اُس وسعت کا احاطہ نہیں کر رہے ہیں، جتنا مولانا شائق کا ترجمہ کہ "اللہ (کے عذاب اور قہر) سے ڈر کر عصیاں سے بچتے ہوئے رہو" میں نظر آتا ہے۔

اجتہادی ترجمہ

مولانا شمس الدین شائق نے جس طرح اپنے حواشی میں جمہور مفسرین کے جادۂ مستقیم سے ہٹ کر الگ راہ اختیار کی ہے اسی طرح اپنے ترجمۂ قرآن میں بھی بعض آیات بینات کا ترجمہ اپنی رائے اور اجتہاد سے کیا ہے۔ مترجم اپنی رائے اور اجتہاد میں تنہا ہیں۔ آپ سے قبل کسی مترجمِ قرآن نے ایسا ترجمہ کیا نہ آپ کے بعد کسی مترجم نے ایسی جرأت کی ہے۔ راقمِ سطور کے اس دعوے کی دلیل صرف سورۃ القدر میں جا بہ جا ملاحظہ کی جاسکتی ہے، جس میں فاضل مترجم نے لیلۃُ قدر سے اُس کے ظاہری معنٰی مراد لینے کے بجائے "عہدِ نبوی" لیا ہے، وَمَا اَدْرٰکَ کا ترجمہ "اللہ پاک کے سوا کون ہے جو آپ کو سمجھائے" کیا ہے، "الروح" سے مراد بجائے حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام کے "قرآن مجید" لیا ہے اور لیلۃُ قدر یعنی عہدِ نبوی کی انتہا، طلوعِ صبحِ روزِ محشر تک بیان کی ہے۔ یہ نہ صرف معنوی تحریف ہے بلکہ اس سے شب قدر کی فضیلت میں وارد بیسیوں احادیث صحیحہ کا بھی انکار لازم آتا ہے۔

سورۂ قدر مع منظوم ترجمہ پیش خدمت ہے:

إِنَّآ		أَنزَلۡنَٰهُ
واقعی ہم نے ہی (از بہر ہُدا)		نازل اس قرآں کو (لوگوں میں) کیا
فِي لَيۡلَةِ		ٱلۡقَدۡرِ
اِک مبارک عہدِ شب میں واقعی		جو کہ ہے ذی قدر (نبوی عہد ہی)
وَمَآ		أَدۡرَىٰكَ
اور ہے کون ایسا (جز اللہ پاک کے)		جو تجھے سمجھائے (برحق طور سے)
مَا لَيۡلَةُ		ٱلۡقَدۡرِ
کہ وہ کیسا عہد شب ہے قدرتی		جو کہ ہے ذی قدر نبوی عہد ہی
لَيۡلَةُ		ٱلۡقَدۡرِ

یہ منور عہد شب ہے (برملا)		اِک بڑا ذی قدر عہد (اسلام کا)
خَيْرٌ		مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ
ہے جو بہتر ہر طرح سے واقعی		ایسے دس سو ماہ سے (جو ہوں ظلمتی)
تَنَزَّلُ		ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ
(کیونکہ) نازل (دہر میں) ہوتے رہے		حق تعالیٰ کے ملائک (فضل سے)
وَٱلرُّوحُ		فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم
اور یہ روحانی بیاں (قرآن) بھی		اُن کے رب کے امر سے صرف اِس میں ہی
مِّن		كُلِّ أَمْرٍ
ہر طرح (صاف اور مفصل طور سے)		واسطے لانے بجا ہر امر کے
سَلَٰمٌ		
سو یہی عہد مبارک سر بسر		ہے پُر از امن و اماں ہر طور پر
هِيَ		حَتَّىٰ مَطْلَعِ ٱلْفَجْرِ[۵۵]
(اور) یہ (رہنے والا ہے بے ریب و شک)		یاں طلوعِ صبح (روزِ حشر تک)[۵۶]

اس عجیب وغریب ترجمے کے بعد ﴿إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ﴾ پر جو حاشیہ آرائی کی ہے اب وہ ملاحظہ ہو:

عہدِ نبوی عہد شب ہے ، اس لیے
کہ سیاہ تھا ملک ظلمتِ کفر سے
پھر ظہور پاکِ نبوی سے یونہی
ہوگیا ذی قدر وہ سب عہد ہی[۵۷]

۵۵- القرآن ۹۷: ۱- ۵۔

۵۶- ایزدی، **منظوم اُردو ترجمہ**، ۳: ۲۹۳۶- ۲۹۳۷ ۔

۵۷- نفس مصدر، ۲۹۳۶۔

قوسین کا استعمال

فاضل مترجم نے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ اگر ضرورت شعری یا مفہوم کے ابلاغ کے لیے کسی لفظ یا جملے کا اضافہ کرنا پڑے تو اُس کو قوسین میں لایا جائے تا کہ قارئین قوسین میں دیے گئے الفاظ اور جملوں کو آیت کا ترجمہ نہ سمجھیں۔ مثال ملاحظہ ہو:

وَلَئِنۡ أَذَقۡنَا		ٱلۡإِنسَٰنَ مِنَّا رَحۡمَةً
اور اگر ہم یاں چکھائیں کچھ مزے		ایسے انساں کو خود اپنی مہر کے
ثُمَّ نَزَعۡنَٰهَا		مِنۡهُ
پھر وہی نعمت کہیں ہم چھین لیں		اُس سے (برحق طور پر بھی دہر میں)
إِنَّهُۥ		لَيَـُٔوسٞ كَفُورٞ (۵۸)
تو وہ ہوجاتا ہے بالکل واقعی		سخت ناامید و ناشکور ہی (۵۹)

معنوی وفنی تجزیہ

پہلے شعر کے دوسرے مصرع میں لفظ ”ایسے“ قرآنی مفہوم سے زائد ہے جو محض وزن پورا کرنے کے لیے ہے۔ لفظ ”ایسے انسان“ اس بات کا متقاضی ہے کہ اُس کی آگے کوئی صفت بیان کی جائے جو کہ نہیں ہے۔ یہ زبان وبیان کا نقص ہے۔ دوسرے شعر کے مصرع اوّل میں ”کہیں“ زائد ہے اور دوسرے مصرع میں شاعر نے اضافے کے لیے اگر چہ قوسین کا اہتمام کیا ہے مگر اُس میں بھی لفظ ”بھی“ زائد از ضرورت ہے جو محض وزن پورا کرنے کے لیے بھرتی کیا گیا ہے۔ بہ ظاہر سطور ”برحق طور پر بھی دہر میں“ یہاں اضافی ہے۔ اسی طرح بین السطور سے ایک اور مفہوم کی گنجائش نکلتی ہے، جس کا شاید مترجم کو ادراک ہی نہیں کہ خدا کسی نعمت کو بالباطل بھی چھین لیتا ہے۔ آخری شعر کے مصرع اوّل میں ”بالکل واقعی“ محض تکرار ہے، صرف شعر کا وزن پورا کرنے اور اگلے مصرع کو موزوں کرنے کے لیے ہے۔ ”کفور“ کا ترجمہ ”ناشکور“ غلط ہے اور مفہوم کو بالکل بدل دیتا ہے۔ ناشکور کا مطلب تو

۵۸– القرآن ۱۱: ۹۔

۵۹– ایزدی، **منظوم اُردو ترجمہ**، ۲: ۹۴۶۔

ہے جس کا کوئی شاکر نہ ہو اور یہاں جو معنیٰ مطلوب ہے وہ تو "ناشکرا" ہے۔فاضل مترجم نے اضافے کے لیے قوسین کے استعمال کے اہتمام کی کوشش ضرور کی ہے مگر کلی طور پر ایسا کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

حشو زوائد سے معمور دشوار فہم ترجمہ

مولانا شائق اگرچہ مختصر ترجمہ کرنے کے دعوے دار ہیں، مگر بسا اوقات اوزان وبحور کی کڑی پابندیوں کی وجہ سے ترجمہ حشو وزوائد سے معمور اور اس کا فہم دشوار ہوجاتا ہے۔ بہ بطور نمونہ ذیل میں دی گئی مثال ملاحظہ ہو:

وَمَا مِن دَآبَّةٍ		
اور اگر ہم یاں چکھائیں کچھ مزے		ایسے انساں کو خود اپنی مہر کے
فِي ٱلۡأَرۡضِ إِلَّا		عَلَى ٱللَّهِ رِزۡقُهَا
کل زمین میں کل زمانے میں، مگر		حق پہ ہی روزی ہے اُس کی منحصر
وَيَعۡلَمُ		
اور وہی رزّاقِ دانا کبریا		ہر طرح خود ہی برحق جانتا
مُسۡتَقَرَّهَا		وَمُسۡتَوۡدَعَهَا
اُس کے رہنے کی جگہ اور عمر بھی		اور ٹھکانا اُس کا مر کر آخری
كُلٌّ		فِي كِتَٰبٖ مُّبِينٖ (۶۰)
ہیں غرض کل حال مخلوقات کے		علم حق میں صاف ظاہر اور کھلے (۶۱)

معنوی وفنی محاسن

شعر اوّل کے دونوں مصرعوں میں ﴿وَمَا مِن دَآبَّةٍ﴾ کے مفہوم کو ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، "ما" نافیہ کا سادہ سا ترجمہ "نہیں" کے بجائے "نہیں ہرگز کہیں بھی زینہار" خواہ مخواہ کا ملال آور

۶۰- القرآن ۱۱: ۶۔

۶۱- **منظوم اُردو ترجمہ**، ۲: ۹۴۳۔

حشو ہے، جب کہ عام فہم اور معنی خیز ترجمہ شاہ برادران کا ہے جن کے ترجمے کو بعینہ نظم کرنے کا مترجم کا دعویٰ ہے۔ شاہ رفیع الدین نے ﴿وَمَا مِن دَآبَّةٍ﴾ کا ترجمہ "اور نہیں کوئی چلنے والا بیچ زمین کے"[۶۲] اور شاہ عبد القادر نے "اور کوئی نہیں پاؤں چلنے والا زمین پر"[۶۳] کیا ہے۔ ان کے مقابل شائق کا ترجمہ عسیر الفہم اور حشو سے بھرپور ہے۔

دوسرے شعر کے مصرع اوّل میں "کل زمانے میں" زائد ہے۔ لفظ "اللہ" کا ترجمہ "حق" کے لفظ سے کرنا نامناسب ہے، کیوں کہ لفظ "اللہ" اللہ تبارک وتعالیٰ کا اسم ذاتی ہے، اُس کی تعبیر ایسے لفظ سے کی گئی ہے جو کئی معانی کا متحمل ہے۔ "روزی کا اللہ پہ منحصر ہونا" اور "روزی کا اللہ کے ذمے ہونا" دونوں الگ الگ تعبیرات ہیں، اوّل الذکر تعبیر کوئی بلیغ تعبیر نہیں ہے۔ عام فہم ترجمہ وہ ہے جو شاہ صاحب اور اُن کے صاحب زادگان نے کیا ہے، وہ ملاحظہ ہو: "مگر بر خدا است روزی اُو"،[۶۴] "مگر اوپر اللہ کے ہے رزق اُس کا"،[۶۵] "مگر اللہ پر ہے اُس کی روزی"۔[۶۶]

اوپر کی بیان کردہ مثال کا تیسرا شعر ترجمہ تو نہیں ہے، ہاں اگر اُس کو تفسیر کہیں تو بات بن جائے گی۔ اس شعر میں مترجم کے اس دعوے کی بھی نفی ہوتی ہے کہ اوّلاً تو ترجمے میں اضافے نہیں ہیں، اگر کہیں توضیحی اور شعری ضرورت کے تحت کرنے پڑے ہیں تو اُن کو قوسین میں ذکر کیا ہے۔

مستقر اور مستودع کے معنیٰ کی تعیین میں اگرچہ مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں، مگر مستقر کا معنیٰ رہنے کی جگہ اور عمر دونوں سے کرنا مناسب نہیں ہے۔ فاضل مترجم ان میں سے کوئی ایک اختیار کرتے تو مناسب ہوتا۔ مستقر کا ترجمہ "عمر" نہ تو شاہ ولی اللہ نے کیا ہے اور نہ اُن کے

۶۲۔ ترجمہ شاہ رفیع الدین، ۲۶۵۔

۶۳۔ ترجمہ طاہر القادری، ۲۶۸۔

۶۴۔ ترجمہ شاہ ولی اللہ، ۳۵۵۔

۶۵۔ ترجمہ شاہ رفیع الدین، ۲۶۵۔

۶۶۔ ترجمہ شاہ عبد القادر، ۳۶۸۔

صاحبزدگان نے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے {مُسۡتَقَرَّهَا} کا ترجمہ "جائے ماندن"،[۶۷] شاہ رفیع الدین نے "جگہٗ قرار"[۶۸] اور شاہ عبد القادر نے "جہاں ٹھہرتا ہے"[۶۹] کیا ہے۔

آخری شعر میں "کتاب" کا ترجمہ "علم حق" بھی فاضل مترجم کے اپنے اختیار کردہ تراجم کے بالکل برعکس ہے۔ فاضل مترجم "کتاب" کا ترجمہ "کتاب" ہی کرتے تو زیادہ مناسب تھا۔ "مبین" کا ترجمہ اگر "صاف ظاہر" سے کیا ہے تو "اور کھلے" زائد اور تحصیل حاصل ہے۔ آخری شعر میں تو فاضل مترجم نے خیال آرائی کی ہے، اس وجہ سے مذکورہ شعر کو خیالی ترجمہ کہا جائے تو زیادہ موزوں ہوگا۔ مولانا شائق ان تمام اشعار میں وزن اور ردیف وقوافی کو نبھانے میں تو کام یاب رہے ہیں مگر ترجمے کو حشو وزوائد اور خواہ مخواہ کی لفظی ومعنوی تعقید سے بھر دیا ہے۔ فاضل مترجم کے پیش نظر نثری تراجم میں جو سلاست وروانی اور لطافت ومعنیٰ خیزی ہے وہ منظوم ترجمے میں عنقا ہے۔

بے زار کُن اطناب

مولانا شمس الدین شائق ایزدی کا دعویٰ تو مختصر ترجمے کا ہے، مگر وہ اپنے دعوے سے عہدہ برآ ہونے میں ہر جگہ کام یاب نہیں ہوئے۔ بسا اوقات تو بات کو بلاوجہ طول دیتے ہیں اور وزن کو نبھانے کے لیے زبان وبیان کی ایسی فاش غلطیاں کرتے ہیں جو اربابِ ذوق کی طبیعتوں پر گراں گزرتی ہیں؛ ذیل کی مثال ملاحظہ ہو:

قُلۡ		
کہہ دے اِن سے صاحبِ قرآن تو		کہہ دے صاف اے صاحبِ ایمان تو
سِيرُواْ		فِي ٱلۡأَرۡضِ
کہ کرو تم سیر چل پھر کر ذرا		سرزمینِ ملک حق میں جا بجا
فَٱنظُرُواْ		كَيۡفَ كَانَ
پھر ذرا دیکھو نگاہِ غور سے		کس طرح تھا اور ہوا کس طور سے

۶۷۔ ترجمہ شاہ ولی اللہ، ۳۵۵۔

۶۸۔ ترجمہ شاہ رفیع الدین، ۲۶۵۔

۶۹۔ ترجمہ شاہ عبد القادر، ۳۶۸۔

عَـٰقِبَةُ		ٱلۡمُجۡرِمِينَ [۷۰]
آخر اور انجام اُن اشخاص کا		تھے جو مجرم حق کے (موذی پُر جفا) [۷۱]

لفظی ومعنوی جائزہ

شعر اوّل قرآنی لفظ ﴿قُلۡ﴾ کا ترجمہ ہے۔﴿قُلۡ﴾کا مفہوم محض ''کہہ دے تو'' سے ادا ہو رہا ہے، باقی سارا شعر زائد اور خواہ مخوہ کا ملال آور اطناب ہے۔شاید مترجم ﴿قُلۡ﴾ کے فی الواقع مخاطب میں بھی متردد ہیں، مصرع اوّل سے تخاطب حضور ﷺ کی ذات اطہر معلوم ہورہی ہے؛ یعنی قل یا أيها النبي؛مصرع ثانی سے مخاطب ایک عام مسلمان معلوم ہورہا ہے یعنی قل یا صاحب الإیمان۔اگر صاحبِ ایمان کا مرجع سرکار دو عالم ﷺ ہیں تو پھر یہ تحصیل حاصل ہے۔﴿سِيرُواْ﴾ کا ترجمہ ''تم سیر کرو'' کافی ہے، ''کہ چل پھر کر ذرا'' زائد اور تحصیل حاصل ہے۔اس شعر کا مصرع ثانی بھی حشو وزوائد سے معمور ہے۔ایک سادہ سے مفہوم کو خواہ مخواہ گنجلک کر دیا ہے۔﴿فِي ٱلۡأَرۡضِ﴾ کا ترجمہ ''سرزمینِ ملک حق میں جا بجا'' کرنا کسی طور بھی مناسب نہیں۔﴿فَٱنظُرُواْ﴾ کا مفہوم ''پھر دیکھو'' سے ادا ہو رہا ہے۔''ذرا نگاہِ غور سے'' زائد ہے۔یہی حال مصرع ثانی کا ہے کہ ناظم نے بجائے ایجاز واختصار کے اطناب وطوالت کا راستہ اختیار کیا ہے۔ آخری شعر بھی خواہ مخواہ کے اطناب سے لبریز اور نامانوس ترکیب سے مملو ہے۔''موذی پُر جفا'' غریب اور غیر فصیح ترکیب ہے۔فاضل مترجم کے پیش نظر منثور تراجم میں جو سلاست، شفتگی اور حلاوت تھی وہ نظم کے جامے میں برقرار نہیں رہ سکی۔ذیل میں شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین کا نثری ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جو مولانا شائق کے ترجمے کی نسبت شستہ، رواں، معنی خیز اور حشو وزوائد سے پاک ہے۔ملاحظہ ہو: ''تو کہہ پھرو ملک میں تو دیکھو کیسا ہوا ہوا آخر گنہگاروں کا'' [۷۲] اور ''کہہ سیر کرو بیچ زمین کے، پس دیکھو کہ کیونکر ہوا آخر کام گنہگاروں کا۔'' [۷۳]

۷۰- القرآن ۲۷: ۶۹۔

۷۱- ایزدی، **مختصر منظوم ترجمہ**، ۲: ۱۷۷۴۔

۷۲- **ترجمہ شاہ عبد القادر**، ۴۶۱۔

۷۳- **ترجمہ شاہ رفیع الدین**، ۴۵۸۔

منظوم حواشی

مولانا شمس الدین نے جہاں کہیں خیال کیا کہ قرآنی آیات کے مفہوم کا ابلاغ محض ترجمے سے نہیں ہوسکتا وہاں حاشیہ نگاری کرکے مفہوم کے ابلاغ کی کوشش کی ہے۔ ان منظوم حواشی کو ''فرقان حمید'' کا عنوان دیا ہے۔ یہ حواشی اُس وقت کے حاشیے کے مروجہ طریقے یعنی صفحے کے تینوں کناروں کے بجائے صفحے کے اخیر میں ہیں۔ بعض جگہ حواشی کے لیے دو کالم بنائے ہیں اور بعض جگہ چار کالم۔ کہیں حواشی مختصر ہیں اور کہیں طویل۔ نمونے کے طور پر {وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ} پر فاضل مترجم نے جو حاشیہ آرائی کی ہے ملاحظہ ہو:

یعنی یہ جو ہیں قیامت کے بیاں
یہ نہیں کچھ فرضی باتیں اور گماں
جو کہ شعر و شاعری کے طور سے
شاعروں نے ہوں خیالی گھڑ لیے(۷۴)

حواشی میں تکرار سے اجتناب

مولانا شائق نے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ اُن کے ترجمے میں تکرار کا نقص نہ آئے، اگر ایک جگہ کسی لفظ کی تشریح گزر چکی ہو اور دوسری جگہ دوبارہ وہ لفظ آجائے تو تشریح کرنے کے بجائے سابق تشریح کی طرف اشارہ کرکے کہتے ہیں کہ وہاں سے ملاحظہ کرلی جائے۔ مثلاً: ﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾(۷۵) پر حاشیہ نمبر لگا کر فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں:

لفظِ جِنْ کی شرح اور تفصیل کو
ذیل کی آیات میں بھی دیکھ لو

۷۴- **منظوم اُردو ترجمہ، ۳: ۲۰۹۲۔**

۷۵- القرآن ۱۱۴: ۶۔

(۱) ﴿فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ﴾[۷۶] الآیہ پ۲۲، ۸ ع

(۲) ﴿وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَيْکَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ﴾[۷۷] پ۲۶، ۴ ع[۷۸]

اگر کسی آیت یا جزوِ آیت کا تفسیری حاشیہ اگلے صفحے پر چلا جائے تو اگلے صفحے کی طرف بھی اشارہ نظم کے پیرائے میں کرتے ہیں۔

باقی مضمون حاشیے کا دیکھیے
اِس سے اگلے صفحہ پر بھی غور سے[۷۹]

پھر اگلے صفحے پر اپنے حاشیے کو ماسبق سے اس طرح مربوط کرتے ہیں۔

یہ تتمہ ہے اُسی مضمون کا
اِس سے پہلے صفحہ پر آچکا[۸۰]

حواشی میں حروف مقطعات کے معنی و مفہوم کی تعین

مولانا شمس الدین نے اپنے ترجمۂ قرآن کے حواشی میں حروف مقطعات کے معنی و مفہوم کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ سورہ آل عمران کے شروع میں الم پر جو حاشیہ نگاری کی ہے اُس میں سے چند اشعار ذیل میں دیے جارہے ہیں:

ہے الف سے بے شک اللہُ مراد — ذکرِ اثباتِ خداوندِ عباد
لام نفیِ غیر کی ہے گفتگو — یعنی ذکر لا إله إلا هو
میم سے ذکرِ رسالت برملا — کہ محمد ہے رسول اللہ کا
پس الف اور لام اور میم کی — ہے عبارت صاف لفظوں میں یہی
اللہُ اور لا إله إلا هو — اور محمد عبدهٗ و رسوله[۸۱]

۷۶۔ القرآن ۳۴: ۱۴۔

۷۷۔ القرآن ۴۶: ۲۹۔

۷۸۔ **منظوم اردو ترجمہ**، ۳: ۲۹۶۴۔

۷۹۔ *نفس مصدر*، ۱: ۴۰۴۔

۸۰۔ *نفس مصدر*، ۴۰۵۔

۸۱۔ **منظوم اُردو ترجمہ**، ۱: ۱۸۵۔

تفسیری حواشی میں تفرداتِ شائق

مولانا شائق نے اپنے ترجمے کے ساتھ جو منظوم حواشی بیان کیے ہیں، اُن میں بسا اوقات جمہور مفسرین سے ہٹ کر ایسی راے قائم کرتے ہیں جس میں وہ تنہا نظر آتے ہیں۔ یہ آپ کے تفسیری تفردات ہیں، مثال کے طور پر قرآن مجید میں مذکور واقعہ اصحابِ سبت(۸۲)میں یوم السبت سے یوم الجمعہ مراد لیتے ہیں۔﴿ وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ﴾(۸۳) پر جو حاشیہ آرائی کی ہے اُس میں سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہفتے میں چھ دن ہیں بہر کاروبار ساتواں دن ہے برائے کِرد گار
روزِ شنبہ ہے وہ دن نزد یہود اور ہے یکشنبہ نصاریٰ میں سعود
لیکن اصلی روز جو ہے سبت کا جمعہ ہے قرآں کی رُو سے برملا
ہفتہ کا ہے ساتواں دن جمعہ ہی یوں سمجھتے ہیں اس ہفتہ سبھی(۸۴)

پھر اپنے دعوے کی دلیل میں سورۃ الجمعۃ کی آیت ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ﴾(۸۵) مع منظوم ترجمے کے پیش کرنے کے بعد حتمی فیصلہ دیتے ہیں:

۸۲- حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں بحر قلزم کے کنارے یہودیوں کی ایک بستی تھی، جس کا نام ایلہ یا مدین یا معنا تھا۔اہل بستی کو یہ حکم ملا کہ ہفتے کے دن کا احترام کریں اور اس دن مچھلیوں کے شکار سے اجتناب کریں۔بہ حکم الٰہی ہفتے کے دن مچھلیاں کثرت سے ہوتیں، باقی دنوں میں ایک مچھلی بھی نظر نہ آتی، بلکہ تلاش پر بھی ہاتھ نہ لگتی۔ یہ وہاں کے رہنے والوں کے لیے آزمائش تھی کہ مچھلیاں ہیں تو شکار منع اور شکار جائز ہے تو مچھلیاں ندارد۔ اس بستی کے بعض رہنے والوں نے حیلہ جوئی کرتے ہوئے ہفتے کی دن کی حرمت کو توڑ ڈالا۔ حکم خداوندی کی خلاف ورزی پر اللہ جل جلالہ نے ان کے چہروں کو مسخ کرکے ذلیل ورسوا بندر بنا دیا۔تین دن یہ لوگ اسی حالت میں رہے اور پھر موت نے انھیں اپنی آغوش میں لے لیا۔تفصیل کے لیے دیکھیے: ابو الفداء اسماعیل ابن کثیر (م:۷۷۴ھ)، **تفسیر القرآن العظیم**، تحقیق: سامی بن محمد سلامہ (بیروت: دارطیبہ ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء)، ۳: ۴۹۳۔

۸۳- القرآن ۴: ۱۵۴۔

۸۴- دوسرے شعر کے موجودہ در وبست کے ساتھ شعر کی بندش درست نہیں، شعر اپنے وزن سے نکل گیا ہے۔

۸۵- القرآن ۶۲: ۹۔

اس سے فی الجملہ ہوا ثابت یہی
سبت کا دن جمعہ ہی ہے واقعی

پھر آگے یہود کے بارے میں مزید کہتے ہیں:

کہ وہ یوم السبت یعنی جمعہ کو
کام وہ کرتے تھے، تھا ممنوع جو[۸۶]

جمہور مفسرین نے یوم السبت کی تعیین سنیچر کے دن (Satuarday) سے کی ہے۔راقم سطور کی معلومات کی حد تک مولانا شمس الدین سے قبل کسی مفسر نے بھی یوم السبت سے مراد جمعہ نہیں لیا۔ آپ نے بہ طور استشہاد کسی مفسر کا حوالہ بھی نہیں دیا ہے۔ یہ آپ کے تفسیری تفردات میں سے ہے۔ہاں بعض تفاسیر میں ایسی روایات ملتی ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر نبی کی اُمت کے لیے جمعے کے دن کی فضیلت مقرر کی۔ اُن میں سے یہود نے اپنی کج فطرتی کے باعث اس بارے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جھگڑا کیا اور کہا کہ ہمارے لیے ہفتے کا دن مقرر کر دیجیے، کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے چھے دن میں کائنات کو بنایا اور سنیچر کو کوئی چیز نہیں بنائی، اس لیے ہماری عبادت کے لیے ہفتے یعنی شنبہ کے دن کو مقرر کردیجیے۔اُن کے اس مطالبے پر سنیچر کا دن براے عبادت وتعظیم مقرر ہوا، بعد میں جس کی خلاف ورزی کے یہود مرتکب ہوئے۔[۸۷]

مولانا شائق کے تفسیری تفرد کی دوسری مثال ملاحظہ ہو کہ مفسرین اور فقہا کے نزدیک مالِ غنیمت اُس مال کو کہتے ہیں جو کافروں کے ساتھ بر سر پیکار رہنے کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ لگے اور جو مال بغیر لڑے حاصل ہو اُسے مالِ فے کہتے ہیں،[۸۸] جب کہ مولانا شمس الدین نے "مالِ غنیمت" کو

۸۶۔ ایزدی، **منظوم اُردو ترجمہ**، ۱: ۴۰۴-۴۰۵، ۲: ۹۴۴۔

۸۷۔ جلال الدین السیوطی (م:۹۱۰ھ)، **الدر المنثور في التفسير المأثور**، تحقیق: عبد اللہ بن عبد المحسن الترکی (مصر: مركز هجر للبحوث والدراسات العربية والإسلامية، ۲۰۰۳ء)،۹: ۱۳۲۔

۸۸۔ ابن کثیر، مصدر سابق، ۴: ۵۹؛ وہبہ الزحیلی، **الفقه الإسلامی وأدلته** (دمشق:دار الفکر، ۱۹۸۵ء)، ۶: ۴۵۵-۴۵۶۔

اُس مال سے تعبیر کیا ہے جو باہم برسرپیکار ہوئے بغیر حاصل ہو۔ فاضل مترجم کا ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ﴾[۸۹] پر مرقوم حاشیہ ملاحظہ ہو:

یعنی جو کچھ مال اہلِ ظلم سے
جنگ میں حاصل ہو بے تکلیف کے
نیز دیگر ہر طرح کا مال بھی
جو کہ حاصل ہو بلا تکلیف ہی
ہے غنیمت میں ہی داخل سر بسر
خواہ متاع و جنس ہو یا نقد زر
الغرض کہتے غنیمت میں اُسے
جو کہ بے رنج و مشقت مل سکے[۹۰]

مولانا شائق نے مالِ فے کو پورے وثوق سے جو مالِ غنیمت کا نام دیا ہے یہ درست نہیں، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ بعض علما مالِ غنیمت پر فے کا اطلاق اور فے کا غنیمت پر کر دیتے ہیں[۹۱] مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ غنیمت کا مال وہ ہے جو کافروں سے بنا لڑے حاصل ہو۔

خلاصۂ بحث

مولانا شمس الدین شائق ایزدی کے ترجمے کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ برصغیر پاک وہند میں یہ پہلا مکمل منظوم اُردو ترجمہ ہے، جو اشاعت کے زیور سے آراستہ ہوا۔ اس سے قبل مولوی عبد السلام بدایونی کی تفسیر **زاد الآخرۃ** بھی منصۂ شہود پر آچکی تھی، مگر اُس کی حیثیت تفسیر کی ہے۔ ترجمے میں اوّلیت کا شرف **نظم البیان** کو ہے۔ اس ترجمے کا ایک اختصاص یہ ہے کہ اس میں کاتب کا نام، مطبع، قیمت، مصنف کے بارے میں تمام تر معلومات اور حواشی تمام تر نظم کے پیرایے میں ہیں، یہ ایک

۸۹- القرآن ۸: ۴۱۔

۹۰- ایزدی، **منظوم اُردو ترجمہ**، ۱: ۷۵۷۔

۹۱- ابنِ کثیر، **تفسیر القرآن**، ۴: ۵۹۔

اچھوتا اور نرالا انداز ہے۔ فاضل نظم نگار کے ترجمے میں کتابت وطباعت کے اعتبار سے سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں قرآنی آیات کی موزوں ناموزوں حصوں میں تقطیع کی گئی ہے اور پھر اُن کو شعروں کے تابع کر کے مصرعوں کی ہیئت میں لکھا ہے، جس سے ایک طرف قرآن مجید کی تلاوت کرنا محال ہے تو دوسری طرف کوئی کوتاہ نظر شعری ہیئت میں ہونے کی وجہ سے متن قرآن پر بھی شعر کا گمان کرسکتا ہے۔ قرآن مجید کو شعروں کے انداز میں لکھنا انتہائی نامناسب ہے۔

مولانا ایزدی نے شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحب زادگان کے تراجم کو نظم کے قالب میں ڈھالنے کا دعویٰ ضرور کیا ہے، مگر اکثر وبیشتر ان کا ذاتی ذوق زیادہ کارفرمارہاہے۔ نظم نگار جا بجا ضرورت شعری کی وجہ سے یا اپنی آزاد خیالی کی وجہ سے اپنے پیشِ نگاہ تراجم سے پہلو تہی کرتے نظر آتے ہیں۔ اس ترجمے میں بعض آیتوں کے مفہوم کے معاملے میں نظم نگار نے جمہور مفسرین سے الگ راہ اختیار کی ہے، جو کہ نظم نگار مترجم کے تفردات ہیں۔ بعض مقامات پر مترجم کے ترجمے اور آیات کی تفسیر میں وارد بیسیوں احادیث اور صحابۂ کرام کے اقوال سے انکار لازم آتا ہے۔

مولانا شائق کی وزن وبحر پر کامل قدرت نہیں تھی، اس لیے کہیں کہیں اپنی اختیار کردہ بحر سے نکل جاتے ہیں۔ زبان وبیان کی اغلاط بھی کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ شاعر نے عروضی مجبوریوں کی وجہ سے بعض مقامات پر اپنے ترجمے کو حشو و زوائد سے معمور کرلیا ہے جو قاری کے ذوق پر گراں گزرتا ہے۔